اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیعانہ کا تعارف، صورتیں اور احکام

Introduction to Deposit Sale, its Various Features and Rulings in Islamic Perspective

مقالہ نگار: **ڈاکٹر استراج خان**

لیکچرر، شعبہ اسلامیات، عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان

Istirajkhan104@gmail.com

معاون مقالہ نگار: **ڈاکٹر گلزار علی**

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان

Gulzar@awkum.edu.pk

ڈاکٹر ساجد محمود

لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ ومطالعہ مذاہب، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

sajidzbi@gmail.com

ABSTRACT

Man has been in association with economy since his creation. Agriculture and trade has a vital role in economic system. In olden ages the concept of trade was limited but with the passage of time it has taken a vast structure. Since agriculture and trade have occupied on a prestigious place internationally much more than on national basis and now it is discussed and planned on the aforesaid base. Islam has observed its significance in its start and has provided the basic terms and conditions of practicing a mutual contract nationally as well as internationally. As The deposit sale known as" biʿ al Ghirbān" is commonly practiced in finances on national and international levels. It is an optional part of the sales process, which is defined as" A specified amount of money (usually a percentage of the total amount) that is paid up front in order to ensure that the sale will go through and that the products/service will be provided." A deposit is paid by the buyer to the seller before a sale is completed. The deposit sale is taken and utilized irrespectively to its legal status. What's the status of deposit sale and what are its related commandments in Islamic sources? In these lines the introduction, the various features and rulings of the deposit sale have been discussed in rather detail.

Keywords: biʿ al Ghirbān, Islamic Finance, Deposit.

تعارف:

معیشت انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ زمانہ قدیم سے دنیا حصول معیشت کے جن ذرائع سے آشنا ہے ان میں زراعت اور تجارت کو خاص اہمیت حاصل ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عصر قدیم میں معیشت زراعت و تجارت میں محدود تھی۔ اسلام جو کہ تمام انسانوں کے لیے قیامت تک جاری رہنے والا ابدی دین ہے ان دونوں ذرائع کی اہمیت سے واقف ہے، اسی وجہ سے دین اسلام میں زراعت و تجارت دونوں پر خاص توجہ دی گئی ہے اور اسلام نے ان کے اصول و مبادی کے متعلق بہت رہنمائی عطا فرمائی ہے۔

مال کی محبت انسان کی فطرت میں خون کی طرح رچا بسا ہے۔ حصول معیشت کی اہمیت اور انسان کی اسی فطرت کو محسوس کرتے ہوئے شریعت نے اس کے لیے حصول مال کے عمل کے گرد کچھ شرائط و قیودات کا دائرہ کھڑا کر دیا ہے، تاکہ اپنی فطرت کو تسکین دینے کی خاطر انسان دوسرے کی ضرر کا باعث نہ بنے۔ اسی نظریہ کے تحت کئی بیوعات اور معاملات جس میں بظاہر کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی لیکن شریعت کی دور افتادہ نظر نے ان کے زہریلے اثرات کا مشاہدہ کرتے ہوئے انہیں ناجائز قرار دیا ہے۔

بیع العربون جسے عرف عام میں بیعانہ کے نام سے جانا جاتا ہے، آج کل کے تجارتی معاملات کے لیے ایک اساس اور بنیاد کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ عرف میں بغیر کسی نکیر کے بیعانہ لیا اور دیا جاتا ہے اور بغیر کسی کراہت کے کھایا جاتا ہے۔

بیعانہ کے بارے میں شریعت کی رائے کیا ہے؟۔ نبی کریم ﷺ نے بیعانہ کے بارے میں کیا ہدایات دیے ہیں؟۔ فقہاء کرام نے بیعانہ کے متعلق کیا رویہ اختیار کیا ہے؟

مندرجہ بالا سوالات کو معلوم کرنے کے لیے یہ مضمون لکھا جارہا ہے۔ اس مضمون کی اہمیت اس وجہ سے واضح ہے کہ بیعانہ عرف میں جاری و ساری ہے اور دوسرے کئی معاملات کی طرح عوام اس کے حکم سے مکمل طور پر جاہل ہیں اور افسوس یہ ہے کہ اپنی جہالت سے بھی بے خبر ہیں۔

بیع العربان کی لغوی تحقیق: عربی زبان میں "العربون" مختلف لغات میں مستعمل ہے۔ امام ابن الاثیرؒ فرماتے ہیں: "أعرَب في كذا وعرّب وعرْبَنَ وهو عُرْبانٌ وعُرْبُونٌ وعَرَبُون[1]"

"(عربون) اَعرَب (افعال)، عرَّب (تفعیل) اور عربَنَ (رباعی سے مستعمل ہے۔ اس کے مصادر) عُربان، عُربون اور عَرَبون ہیں"

امام زبیدیؒ نے تفصیلا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

" (والعُرْبَانُ) كعُثْمان (والعُرْبُونُ بضَمّهِما والعَرَبُونُ ، مُحَرَّكَةً و) قَد (تُبْدَلُ عَيْنُهُنَّ هَمْزَةً)، وقد تُحذَف الهَمْزةُ فيُقَال فيه الرَّبُون ...، ونقل شيخُنَا عن أَبِي حَيَّان لُغَةً ثَامِنَةً، وهِي العَرْبُون، بفتح فسكون فضم. قلت: وهِي لُغَةٌ عَامِّيَّة[2]"

"العربان بوزن عثمان، العُربون اور العَرَبون۔ **کبھی** (اُربون، اُرُبون اور اَرَبون) **بجائے عین کے ہمزہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ کبھی ہمزہ کو حذف کر کے "ربون" بھی پڑھا جاتا ہے۔ ہمارے شیخ نے ابو حیان سے آٹھویں لغت فتح پس سکون کے ساتھ** عَرْبون **بھی نقل کی ہے**

لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ لغت عوام کی ہے"

موسوعہ کویتیہ میں لکھا ہے: الْعَرَبُونُ بِفَتْحَتَيْنِ كَحَلَزُونٍ ، وَالْعُرْبُونُ وِزَانُ عُصْفُورٍ، لُغَةٌ فِيهِ. وَالْعُرْبَانُ بِالضَّمِّ لُغَةٌ ثَالِثَةٌ، بِوَزْنِ الْقُرْبَانِ. وَأَمَّا الْفَتْحُ مَعَ الإْ سْكَانِ فَلَحْنٌ لَمْ تَتَكَلَّمْ بِهِ الْعَرَبُ[3]"

"العَربون(عین وراء) کی فتح کے ساتھ حَلَزون کی (وزن پر) ہے۔اس میں ایک لغت العُربون بوزن العصفور مستعمل ہے اور تیسری لغت العُربان بوزن القربان ہے۔(العَربون) فتح پس سکون کے ساتھ لحن ہے کیونکہ عرب یہ تلفظ استعمال نہیں کرتے"

لغوی معنی اور وجہ تسمیہ: امام ابن الاثیرؒ عربون کا "اعراب" سے مشتق ہونے کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قيل: سُمِّي بذلك لأنَّ فيه إعرَاباً لعَقْدِ البَيْع: أي إصْلاحاً وإزَالة فَسادٍ لئلا يَمْلِكه غيره باشترائه[4]"

"اس کی تسمیہ یہ پڑھ گیا کیونکہ اس میں عقد بیع کی اعراب یعنی اصلاح اور ازالہ فساد ہے، تاکہ خرید سے دوسرا کوئی شخص اس کا مالک نہ بن جائے"

اربون سے مشتق ہونے کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے امام زبیدیؒ فرماتے ہیں کہ اربون "اربۃ" سے مشتق ہے جس کے معانی گرہ کے ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے بیع منعقد کی جاتی ہے (اس وجہ سے اسے اربون کہتے ہیں)[5]"

جب کہ تعریب سے وجہ اشتقاق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مشتَقٌّ مِّن التَّعريب الَّذِی هو البيانُ، لانه بيانٌ لِّلبَيع[6]"

"(عربون) تعریب سے مشتق ہے جس کا معنی بیان ہے، (اس بیع کو عربون کہتے ہیں) کیونکہ یہ بیع کے لیے بیان ہوتا ہے"

"وَهُوَ مُعَرَّبٌ. وَفَسَّرُوهُ لُغَةً: بِمَا عُقِدَ بِهِ الْبَيْعُ[7]"

"وہ (العربون) معرب ہے۔ لغت میں اس سے مراد وہ چیز (دراہم ودنانیر) ہے جس پر بیع منعقد کی جائے"۔

بیع العربان کی اصطلاحی تحقیق: امام مالکؒ عربون کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وذلك فيما نرٰى، واللهُ أعلمُ، أن يشتريَ الرَّجل العبدَ أو الوليدةَ أو يتكارٰى الدَّابة ثم يقولَ لِلَّذي اشترٰى منهُ أو تكارٰى منهُ أُعطِيك دينارًا أو درهمًا أو أكثرَ مِن ذٰلك أو أقلَّ علٰى أَنِّي اِن أخذتُ السِلعةَ أو ركبتُ ما تكاريتُ مِنكَ فالَّذي أعطيتُك هو مِن ثمنِ السِّلعة أو مِن كراء الدَّابة وإن تركتُ اِبتياعَ السِّلعة أو كرائَ الدَّابة فما أعطيتُك لكَ باطلٌ بغيرِ شيئٍ[8]"

" (عربون) ہمارے خیال میں یہ ہے کہ آدمی غلام یا باندی خرید لے یا کوئی جانور کرایہ پر لے لے پھر اس شخص سے کہے جس کے ساتھ شراء یا کرایہ کا معاملہ کیا ہے کہ میں تمہیں ایک دینار یا ایک درہم یا اس سے زیادہ یا کم اس شرط پر دیتا ہوں کہ اگر میں نے سامان (مبیع) خرید لیا یا اس جانور پر سواری کی جو میں کرایہ پر لی ہے تو جو (درہم اور دینار وغیرہ) میں نے تمہیں دیا ہے وہ ثمن میں سے شمار کیا

جائے لیکن اگر میں نے سامان نہیں خریدا یا جانور کو کرایہ پر نہیں لیا تو میں نے جو (درہم اور دینار) تمہیں دیا ہے وہ تمہارا ہوا بغیر کسی چیز (بدل) کے باطل ہے"۔

امام ابن الاثیرؒ فرماتے ہیں:

"العُربون هو أن يشتَرِي السِلعةَ ويدفعَ إلٰى صاحبِها شيئاً علٰى أنّهٗ إن أمضَى البيعَ حُسِب مِن الثَّمنِ، وإن لَّم يُمضِ البَيع كان لصاحبِ السِّلعة ولم يرتَجِعهُ المشترِي[9] "

"عربون یہ ہے کہ (مشتری) سامان خریدلے اور بائع کو (ثمن کا) کچھ (حصہ) اس شرط پر دیدے کہ اگر بیع تام ہوئی تو یہ ثمن سے شمار کر لیا جائے ورنہ اگر بیع تام نہ ہوئی تو یہ (پیسے) بائع کے ہوئے اور مشتری اس میں رجوع نہیں کر سکے گا"۔

علامہ نے اس کی دو تفسیریں بیان کی ہیں: "أن يشتري سلعة من غيره ويدفع إليه دراهم على أنّه إن أخذ السلعة فهي من الثمن، وإلاّ فهي إلى المدفوع إليه مجاناً[10]"

"کسی سے سامان خرید کر اسے اس شرط پر دراہم دیدے کہ اگر اس نے سامان خرید لیا تو وہ (دیے ہوئے دراہم) ثمن سے شمار کیے جائیں ورنہ وہ مفت میں سامان والے کے ہو گئے"

"أن يدفعَ دراهمَ إلٰى صانعٍ ليعملَ لهٗ ما يُرِيد مِن صياغةِ خاتمٍ، أو خرزِ خفٍّ، أو نسجِ ثوبٍ، أو خياطةٍ، أو غيرِ ذٰلك علٰى أنّه إن رضيهٗ، فالمدفوعُ مِن الثمن، وإلاّ لم يستردّه منهٗ[11]"

"کسی کاریگر کو اس شرط پر دراہم دیدے تاکہ اگر کاریگر راضی ہو تو اس کے لیے انگوٹھا بنانے، موزے سینے، کپڑے کو بننے یا سینے جیسے کام کرے ورنہ وہ (دینے والا) کاریگر سے دراہم واپس نہیں لے گا"

الموسوعۃالکویتیہ میں بھی عربون کی قریب قریب یہی تعریف بیان ہوئی ہے:

"هو أن يشتري السلعة ويدفع إلى البائع درهماً أو أكثر على أنّه إن أخذ السلعة احتسب به من الثمن، وإن لم يأخذها فهو للبائع[12] "

" عربون یہ ہے کہ (مشتری) سامان خریدلے اور بائع کو اس شرط پر ایک درہم یا زیادہ دیدے کہ اگر مشتری نے سامان خرید لیا تو دراہم ثمن سے شمار کر لیے جائیں اور اگر نہ خریدے تو وہ بائع کے ہوئے"

وربما يفسّر العربون بوجهين آخرين هما:

1. أن يكون مبلغاً من الثمن يُدفع إلى البائع أو الموجر مثلاً كي يكون لكلّ واحد من المتعاملين حق التراجع على أن يُخسر مقداره، أيٌّ من المتعاملين الذي سيتراجع عمّا بنيا عليه من المعاملة. وعلى هذا لا يختص العربون بالمشتري بل يعم المتبايعين.

2. أن يكون دفعه شروعاً في تنفيذ المعاملة فهو مجرد أداء جزء من الثمن تأكيداً للعقد والبت فيه.

والأوّل ـ عدم اختصاصه بالمشتري ـ هو الرائج في زماننا ولعلّ الرائج في العصور السابقة كان غير هذا، وكان مختصاً بالمشتري.

وأمّا الثاني: فهو تأكيد للبيع من دون أن يُخسَر شيئ عند الرجوع إلاّ إذا امتنع البائع من القبول إلاّ بإخسار شيئ ممّا أخذ فيدخل في بيع العربون.

"بیعانہ کی تفسیر میں مندرجہ ذیل صورتیں بھی بیان ہوئی ہیں:

۱۔ مثال کے طور پر ثمن کی خاص مقدار بائع یا موجر (کرایہ پر گھر وغیرہ دینے والے) کو دی جائے، تاکہ دونوں متعاملین (بائع ومشتری) کو اس شرط پر رجوع کا حق حاصل ہو کہ اپنی مقدار میں خسارہ قبول کرلے، چاہے متعاملین میں سے کوئی بھی معاملہ سے رجوع کرلے۔اس صورت میں العربون صرف مشتری تک محدود نہیں رہتا بلکہ دونوں متعاملین کو عام ہو جاتا ہے"

۲: عربون (بیعانہ) کا دینا معاملہ کو محض نافذ کرنے کے لیے اقدام ہو۔(اس صورت میں) عربون کا مطلب محض معاملہ کو مضبوط کرنے کے لیے ثمن کی کچھ مقدار کی ادائیگی ہے۔

ہمارے زمانے میں مشتری کے ساتھ عدم خصوصیت والی پہلی صورت رائج ہے۔ ممکن ہے عصر سابق میں کوئی دوسری صورت رائج تھی جو کہ مشتری کے ساتھ خاص تھی۔

(بیعانہ کی) دوسری صورت (صرف) بیع کی تاکید ہے جس میں رجوع کے وقت (دیے ہوئے پیسوں) سے کمی کی نہیں جاتی، البتہ اگر بائع بیعانہ کو اس شرط پر قبول کرلے کہ لیے ہوئے پیسوں سے کمی کرے گا تو یہ بیع عربون ہوا"۔

مذکورہ بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل صورتیں بیع العربون کے تحت داخل ہیں:

۱: مبیع عین (ذات) ہو جیسا کہ ثمن کے بدلے سامان یا زمین وغیرہ کو خریدا جائے۔

۲: مبیع منافع ہوں جیسا کہ کسی گھر کو کرایہ پر لیا جائے۔

۳: کاریگر کو کام کے لیے ثمن کی کچھ خاص مقدار دی جائے۔اگر اس کام کی ضرورت نہ پڑی تو کاریگر سے ثمن کی وہ مقدار واپس نہ لی جائے جیسا کہ درزی کو کپڑا سینے کی اجرت دینا۔

۴: مشتری بائع کو پورے ثمن دیدے اور بائع مبیع کو مشتری کے حوالہ کردے۔دونوں میں سے جس نے بھی عقد کو واپس کرنا چاہا تو اس سے کٹوتی کی جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بیع العربون صرف مشتری سے کٹوتی تک محدود نہیں ہے بلکہ بائع، مشتری یا دونوں سے کٹوتی کی شرط لگانا بیع العربون کے حکم میں داخل ہے۔

بیعانہ احادیث کے تناظر میں

۱:عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده: أن رسول اللهﷺ نهی عن بیع العربان[13]"

"عمرو بن شعیب از والد از دادا نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع العربان (بیعانہ) سے منع فرمایا"

عمرو بن شعیبؒ کی روایت پر بحث کرتے ہوئے علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں: الحدیث منقطِعٌ لانه من روایة مالك أنه بلغه عن عمرو بن شعیب ولم یدرکه فبینهما راو لم یسم وسماه ابن ماجه فقال عن مالك عن عبد اللهِ بنِ عامرٍ الأسلميّ وعبد الله لا یحتج بحدیثه وفي إسناد ابن ماجه هذا أیضا حبیب کاتب الإمام مالك وهو ضعیف لا یحتج به. وقد قیل أن الرَّجل الذي لم یسم هو ابن لهیعة ذکر ذلك ابن عديٍ وهو أیضا ضعیفٌ . ورواه الدارقطني والخطیب عن مالك عن عمرو ابن الحرث عن عمرو بن شعیب وفي إسنادهما الهیثم ابن الیمان وقد ضعفه الأزدي وقال أبو حاتم صدوق ورواهٗ موصولا من غیرِ طریق مالكٍ[14]"

"یہ روایت منقطع ہے کیونکہ یہ امام مالکؒ کی عمرو بن شعیبؒ سے بلاغات میں سے ہے، لہذا دونوں کے درمیان ایک راوی جس کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ امام ابن ماجہؒ نے اس کا نام لے کر فرمایا ہے مالک از عبد اللہ بن عامر اسلمی لیکن عبد اللہ کی حدیث قابل حجت نہیں ہے۔ مزید یہ کہ سنن ابن ماجہ کی روایت میں امام مالکؒ کا کاتب حبیبؒ بھی ہے جو کہ ضعیف ہے اور ان کی حدیث قابل حجت نہیں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس روایت میں نامعلوم راوی ابن لھیعہؒ ہے۔ یہ بات امام ابن عدیؒ نے کہی ہے لیکن ابن لھیعہؒ بھی ضعیف ہیں۔

امام دار قطنیؒ اور خطیبؒ (بغدای) نے اس روایت کو از مالکؒ از عمرو بن حارثؒ از عمرو بن شعیبؒ روایت کی ہے لیکن ان کی سندوں میں الہیثم بن الیمانؒ موجود ہے جسے امام ازدیؒ نے ضعیف اور امام ابو حاتمؒ نے صدوق کہا ہے۔ آپؒ نے اس حدیث کو امام مالکؒ کے طریق کے علاوہ موصول بھی روایت کی ہے۔"

۲:عَنْ زَیْدِ بْنِ أَسْلَمَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللهُ علیهِ وسلَّم أَحَلَّ الْعُرْبَانَ فِي الْبَیْعِ[15]"

"زید بن اسلمؒ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بیع میں عربان حلال قرار دیا ہے"

۳:عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْلَمَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَحَلَّ الْعُرْبَانَ فِي الْبَیْعِ[16]"

"محمد بن اسلمؒ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بیع میں عربان جائز قرار دیا ہے"

۴:عَنْ عَطَاء وَعَنِ ابْنِ طَاوُوسٍ، عَنْ أَبِیهِ: أَنَّهُمَا کَرِهَا الْعُرْبَانَ فِي الْبَیْعِ[17]"

"عطاء اور ابن طاووس اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیع عربان کو مکروہ کہا ہے"

۵: عن زیدِ بنِ أسلمَ قال: سُئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن العربان في البیع؟ فأحله[18]"

"زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے بیع میں عربان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے اسے جائز قرار دیا"

زید بن اسلمؒ کی روایت کے بارے میں علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں: وأخرجه عبد الرزاق في مصنفه عن زيد بن أسلم أنه سُئِل رسولُ الله صلى الله عليه وآله وسلم عنِ العُربانِ فِي البَيعِ فاحلَّهٗ وهو مرسلٌ وفي إسناده إبراهيم بن أبي يحيى وهو ضعيف[19]"

"امام عبد الرزاقؒ نے اپنے مصنف میں اس روایت کو زید بن اسلمؒ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے بیعانہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے اسے جائز قرار دیا، لیکن یہ روایت مرسل ہے اور مزید یہ کہ اس کی سند میں ابراہیم بن ابی یحییؒ ہے جو کہ ضعیف ہے۔"

.2 بیعانہ میں فقہاء کے اقوال

جمہور کا مذہب:

بیعانہ کے بارے میں فقہاء کا نظریہ مختلف ہے۔ جمہور احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ میں سے ابوالخطاب کی رائے یہ ہے کہ بیعانہ جائز نہیں ہے۔ یہ رائے سیدنا ابن عباس اور حسن رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔

بیعانہ کے عدم جواز کے بارے میں ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱: مندرجہ بالا حدیث جس میں نبی کریم ﷺ نے بیعانہ سے منع فرمایا ہے۔

۲: دوسری وجہ یہ ہے کہ بیعانہ لوگوں کے اموال باطل طریقے سے کھانے کا ذریعہ ہے۔

۳: تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں غرر[20] ہے۔

۴: بیعانہ میں دو فاسد شروط پائی جاتی ہیں: پہلی شرط یہ ہے کہ اگر بیع تام نہ ہوا تو مشتری کی جانب سے بیعانہ بائع کو ہبہ کر دینا لازمی ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ مشتری کی عدم رضاء کی صورت میں مبیع واپس کر دیا جاتا ہے جب کہ بیعانہ واپس نہیں کیا جاتا جو کہ ثمن کا ایک حصہ ہے۔

۵: بیع میں بائع یا مشتری کے لیے بغیر عوض کے کچھ مشروط قرار دینا جائز نہیں ہے جیسا کہ بائع اور مشتری کے علاوہ کسی اجنبی کے لیے کچھ مشروط قرار دینا جائز نہیں ہے۔

۶: بیعانہ میں خیار مجہول ہوتا ہے کیونکہ مشتری کو اختیار دیا جاتا ہے کہ جب چاہے تو مبیع واپس کر دے، حالانکہ اگر (مشتری نے) شرط لگادی کہ وہ کسی مدت معین کے بغیر (اپنی مرضی سے) مبیع واپس کر سکتا ہے تو یہ عقد صحیح نہ ہو گی، جیسا کہ اگر صاحب خیار کہے کہ میں جب چاہوں تو مبیع کے ساتھ ایک درہم ملا کر واپس کر سکتا ہوں (تو یہ عقد صحیح نہ ہو گی)[21]۔

۷: اس میں (بیع کے اتمام اور عدم اتمام) کا مخاطرہ ہے۔[22]

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

جمہور کا مذہب اولیٰ ہے کیونکہ عمرو بن شعیبؒ کی حدیث کئی ایسی سندوں سے منقول ہے جو ایک دوسرے کی تقویت کرتی ہیں۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ روایت نہی پر مشتمل ہے جو کہ اصول (فقہ) کے مطابق اباحت کے مقابلے میں راجح ہے۔
پھر بیعانہ سے ممانعت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بیعانہ سے ممانعت کی وجہ دو فاسد شروط ہیں:
پہلی شرط یہ ہے کہ مبیع نہ لینے کی صورت میں بائع مفت میں (بغیر کسی بدل کے) بیعانہ کا مالک بن جائے گا۔
دوسری شرط یہ ہے کہ اگر مشتری بیع پر راضی نہ ہوا تو وہ مبیع بائع کو واپس کر دے گا[23]۔(یعنی مشتری کو خیار بغیر کسی معین مدت تک حاصل ہے)

امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب:

جمہور کے مقابلے میں امام احمد بن حنبلؒ کی رائے یہ ہے کہ بیعانہ بغیر کسی کراہت کے جائز ہے[24]، البتہ بعض حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ بیعانہ کی صورت میں انتظار کی مدت معین کر دینی چاہیے کیونکہ بائع کب تک مشتری کا انتظار کرتا رہے گا[25]۔

جواز کے دلائل یہ ہیں:

ا: زید بن اسلمؒ اور محمد بن اسلمؒ کی روایات جو اوپر ذکر ہوئیں۔
۲: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیعانہ کیا ہے۔اسی طرح سیدنا ابن عمر، ابن سیرین اور سعید بن المسیبؒ سے اس کا جواز منقول ہے[26]۔
۳: امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ جب مشتری کو مبیع پسند نہ آئے اور اسے واپس کر کے اس کے ساتھ ایک درہم بھی بائع کو دیدے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ بیعانہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے[27]۔
۴: نافع بن عبد الحارثؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے صفوان بن امیہ سے دار السجن خرید لی (اور شرط لگادی کہ) اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ راضی ہوئے تو بیع نافذ ہوگی اور اگر راضی نہ ہوئے تو سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ کو چار سو درہم دیے جائیں گے[28]۔امام اثرمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے پوچھا: کیا تو اسے اختیار کرتا ہے۔انہوں نے فرمایا: یہ عمر رضی اللہ (کا قول) ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں؟۔آپؒ نے بیعانہ سے (نہی کے بارے میں عمرو بن شعیبؒ کی) مروی حدیث کو ضعیف کہا[29]۔

قائلین جواز کی دلیل:

قائلین جواز نے دو طریقوں سے استدلال کیا ہے:

ا: بیعانہ بائع کی اس نفع کی عوض ہے جس کے لیے مشتری رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ابن الجنیدؒ فرماتے ہیں: بیعانہ ثمن کا حصہ ہے۔اگر مشتری بائع کے لیے شرط لگادے کہ بیعانہ ثمن کا حصہ ہے تو ٹھیک ہے ورنہ بیعانہ اس نفع کی عوض ہوگا جس کے حصول میں مشتری رکاوٹ بنا ہوا ہے جو کہ بائع کا اپنے سامان (مبیع) میں تصرف کرنا ہے۔

مذکورہ دلیل میں شبہ یہ ہے کہ اس سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بیع سے عدم رجوع کی صورت میں مشتری پر بیعانہ کے باوجود تمام ثمن کی ادائیگی لازمی ہونی چاہیے کیونکہ یہ کہا گیا کہ بیعانہ اس رکاوٹ کی عوض ہے جس کی وجہ سے بائع نے اپنے مبیع سے ایک یا دو دن فائدہ نہیں اٹھایا، حالانکہ قائلین جواز کہتے ہیں کہ عدم رجوع کی صورت میں بیعانہ ثمن سے شمار ہوگا۔

اس شبہ کی طرف علامہ ابن قدامہؒ نے بذات خود اشارہ کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"فأما إن دفعَ إلَيهِ قبلَ البيعِ درهمًا وقالَ: لا تبع هٰذه السّلعة لغَيري، وإن لم أشترِها منكَ، فهٰذا الدِّرهم لكَ ثُمّ اشترٰها منهُ بعدَ ذٰلك بعقدٍ مُبتدئٍ وحسِبَ الدِّرهم مِن الثمَنِ صحَّ، لأنَّ البيعَ خلاَ عنِ الشَّرط المفسِد ،ويحتمِلُ أنَّ الشراءَ الَّذِي اشترٰي لعُمرَ كانَ علٰى هذا الوَجهِ، فيُحتَمل عليهِ جمعًا بين فعله وبينَ الخبرِ ومُوافَقةِ القياسِ والأَئِمة القائِلِينَ بفسادِ العُربونِ، وإن لم يشترِ السِّلعة في هٰذه الصُّورةَ لم يستحِقَّ البائعُ الدِّرهم لأَنَهُ يأخذُهُ بغيرِ عوضٍ ولصَاحبهِ الرُّجوع فيهِ، ولا يصِح جعلهُ عوضًا عَن انتظارِهِ وتأخيرِ بيعِهِ من أجله، لأَنَهُ لو كانَ عوضًا عن ذٰلك لما جازَ جعلُهُ مِن الثَّمن فِي حالِ الشِّراءِ، ولأَن الانتظارَ بالبَيعِ لا تجوزُ المعاوَضةُ عنهُ، ولو جازَت لوجبَ أن يكونَ معلومَ المِقدارِ كما فِي الإجارة[30]"

"پس اگر وہ (مشتری) اسے (بائع کو) بیع سے پہلے درہم دیدے اور کہے: یہ سامان کسی دوسرے کو فروخت نہ کرو اور اگر میں نے اسے نہ خریدا تو یہ درہم تمہارا ہوگا۔ پھر اس سامان کو نئے عقد سے خرید لے اور اس درہم کو ثمن سے محسوب کر دے تو عقد صحیح ہے کیونکہ بیع شرط فاسد سے عاری ہے۔ ممکن ہے کہ سیدنا عمرؓ کی شراء بھی اسے طریقے سے ہوئی ہو۔ اس (سیدنا عمرؓ) کے فعل، خبر، قیاس کی موافقت اور فساد عربون کے قائلین ائمہ میں موافقت کے لیے اس (شراء) کو اس (صورت) پر حمل کیا جائے گا۔

اور اگر اس صورت میں سامان نہیں خریدا تو بائع اس درہم کا مستحق نہیں ہوگا، کیونکہ یہ اخذ بلا عوض ہے۔ اسے انتظار کی عوض بنانا جائز نہیں ہے بلکہ مشتری کو اس میں رجوع کا حق حاصل ہوگا، کیونکہ اگر یہ درہم انتظار کی عوض ہوتی تو شراء کی صورت میں اسے ثمن سے محسوب کرنا صحیح نہیں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بیع کے انتظار کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔ اگر معاوضہ جائز بھی ہوتا تو اجارہ کی طرح اس کی تعیین واجب ہوتی۔"

علامہ ابن قدامہؒ کی مندرجہ بالا تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ انہوں نے صراحۃ جمہور کا مذہب اختیار نہیں کیا ہے لیکن بیعانہ کے بارے میں آپؒ جمہور کی طرف ضرور مائل ہیں۔

دليل القائل بالصحة مطلقاً

استدل القائل بالصحة بوجهين:

الأوّل: أنّ ذلك عوض عمّا منعه ذلك من النفع، قال ابن الجنيد: العربون من جملة الثمن، ولو شرط المشتري على

البائع أنّه جزئ من الثمن فهو، و إلاّ فالعربون له كان ذلك عوضاً عمّا منعه من النفع، وهو التصرف في سلعته.([534])

يلاحظ عليه: أنّ لازم ذلك دفع الثمن كلّه عند عدم التراجع ورائ ما دفعه أولاً، وذلك لأنّ المفروض أنّ العربون بمنزلة بدل الحيلولة حيث إنّ المشتري حال بين البائع ومبيعه يوماً أو يومين، مع أنّ القائل بالصحة يقول يُحسب العربون من الثمن.

۲: دوسری دلیل نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث ہے: مومنین اپنی شروط پر ہیں (یعنی ان کی شروط معتبر ہیں)"

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ شروط سے مراد پہلی شروط ہیں، جب کہ بیعانہ کی شرط یا حرام ہے یا کم از کم اس کے جواز میں شک ہے لہذا ایسے معاملہ میں اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

الثاني: قوله: (ﷺ) «المؤمنون عند شروطهم».

يلاحظ عليه: بما حقق في محلّه انّ المراد من الشروط هو الشروط السابقة، وشرط العربون إمّا حرام، أو مشكوك الجواز وفي مثله لا يتمسك به

مجمع الفقہ الاسلامی نے بیعانہ کے بارے میں جو ملاحظات دیے وہ یہ ہیں:

بیعانہ سے مراد یہ ہے کہ سامان فروخت کر دیا جائے اور مشتری بائع کو اس شرط پر ثمن کا کچھ خاص مقدار عطا دیے کہ اگر اس نے سامان خرید ا تو یہ خاص مقدار ثمن سے شمار کیا جائے اور اگر چھوڑ دیا تو یہ مبلغ بائع کا ہو گا۔ بیعانہ اجارہ میں بھی چلتا ہے کیونکہ وہ منافع کی بیع ہوتی ہے، البتہ ان بیوع سے ہر وہ بیع مستثنی ہے جس میں مجلس عقد میں ایک بدل (ثمن یا مبیع) کا قبضہ ضروری ہوتا ہے (یعنی بیع سلم) یا دونوں بدلین (ثمن اور مبیع) کا قبضہ ضروری ہوتا ہے (یعنی بیع صرف)۔

اگر انتظار کی مدت معین ہو تو بیعانہ جائز ہے اور بیع کی تمامیت کی صورت میں بیعانہ ثمن کا ایک حصہ ہو گا جب کہ مشتری کا شراء سے انکار کرنے کی صورت میں بیعانہ بائع کا حق ہو گا[31]۔

شیخ ابن بازؒ فرماتے ہیں: لا حرجَ فِي أخذِ العُربون فی أصحِّ قولَی العلماء اِذا اتفقَ البائعُ والمشترِی علٰی ذٰلک ولم یتِمَّ البیعُ[32]"

"جب بیع تام نہ ہو جائے اور بائع و مشتری بیعانہ لینے پر متفق ہو تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے"۔

عصر حاضر کے محقق وھبہ زحیلیؒ نے بھی بیعانہ کے جواز کے بارے میں فتوی دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک بیعانہ جائز ہے کیونکہ بیعانہ کے بارے میں دونوں فریقین کے احادیث صحیح نہیں ہیں اور عرف میں بیعانہ عام ہے۔ آٹھویں دورہ میں مجمع فقہ اسلامی کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ اسی طرح فرماتے ہیں کہ بیعانہ عصر حاضر میں تجارتی معاملات میں مضبوطی پیدا کرنے کے لیے اساس اور بنیاد ہے جو کہ بیع کے تعطل اور انتظار کی صورت میں غیر (بائع) کے نقصان کی عوض کے لیے ضامن ہے[33]۔

خلاصہ:

ائمہ ثلاثہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور حنابلہ میں سے ابو الخطابؒ بیع العربون کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ان کے نزدیک عدم جواز کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بیعانہ اخذ بلا عوض ہے یا زیادہ سے زیادہ اس نقصان کا معاوضہ ہے جو کہ مشتری کا مبیع اپنے پاس رکھنے کی وجہ سے بائع کا مبیع میں تصرف نہ کرنے کی صورت میں پہنچا۔ شریعت کے اصول کے مطابق اخذ بلا عوض اور حبس مبیع دونوں کا معاوضہ جائز نہیں ہے۔امام احمد بن حنبلؒ بیعانہ کے جواز کے قائل ہیں۔ان کی سب سے بڑی دلیل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ہے۔ اسی طرح بیعانہ اس عدم تصرف کا معاوضہ ہے جس کے لیے مشتری مبیع کو اپنے پاس رکھ کر رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ حنابلہ میں سے علامہ ابن قدامہؒ نے اگرچہ صراحۃ جمہور علماء کا مذہب اختیار نہیں کیا ہے لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کی جو توجیہ بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ بھی جمہور علماء کی طرف مائل ہیں۔ مجمع الفقہ الاسلامی کے مطابق بیعانہ صرف اس صورت میں جائز ہے جب انتظار کی مدت معین ہو۔ شیخ ابن باز اور عصر حاضر کے مایہ ناز محقق ڈاکٹر وہبہ زحیلی کا فتوی بیعانہ کے جواز کا ہے۔ڈاکٹر وہبہ زحیلی کے مطابق دونوں طرفین کے مستدلات ضعف سے خالی نہیں ہیں لہذا بات اجتہاد پر مبنی ہو جاتی ہے۔ان کے مطابق بیعانہ عرف میں عام ہے اور تجارتی معاملات میں مضبوطی کا باعث ہے لہذا جواز کا فتوی دینا بہتر ہے۔ جن علماء نے بیعانہ کے جواز کا فتوی دیا ہے ان کے نزدیک مبیع کی واپسی کے لیے مدت کی تعیین ضروری ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتری بیعانہ کو بہانہ بنا کر مبیع کو اپنے پاس مہینوں تک محبوس نہ رکھے جس کی وجہ سے بائع کو غیر معمولی نقصان کا سامنا کرنا پڑے۔ یہ شرط عصر حاضر کی تیز رفتار تجارتی دور کے لیے انتہائی اہم ہے۔اسلئے کہ موجودہ دور میں گھنٹوں کے حساب سے مبیع کی قیمت میں اتار چڑھاؤ کا سلسلہ جاری رہتا ہے، لہذا واپسی کی مدت معین نہ کرنے کی صورت میں بائع کو جس نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس سے وہی لوگ واقف ہیں جن کا تعلق تجارت اور تجارتی لین دین سے ہے۔

حواشی اور حوالہ جات

1 ابن الاثیر مبارک بن محمد، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، المکتبۃ العلمیہ بیروت، ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹ء،، ج ۳، ص ۴۳۱۔

2 محمد بن محمد زبیدی، تاج العروس من جواھر القاموس، دار الھدایہ، بدون تاریخ۔ ج ۳، ص ۳۵۰، مادہ عرب۔

3 الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ کویت، دار السلاسل کویت، ۱۴۰۴ھ، ۱۴۲۷ء۔ ج ۹، ص ۴۹۔

4 ابن الاثیر، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر،، ج ۳، ص۔ ۴۳۱

5 تاج العروس، ج ۳، ص ۳۵۰، مادہ عرب۔

6 ایضاً، ص ۳۵۱۔

7 الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ، ج ۹، ص ۴۹۔

8 امام مالک بن انس، الموطأ، باب ماجاء فی بیع العربان، دار احیاء التراث العربی، مصر۔

9 النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، ج ۳، ص ۴۳۱۔

10 نہایۃ الاحکام فی معرفۃ الاحکام، ج ۲، ص ۵۲۳۔

11 ایضاً۔

12 الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ، ج ۹، ص ۴۹۔

13 مالک بن انس، الموطأ، باب: ماجاء فی بیع العربان، سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابی داؤد، کتاب الاجارہ [۲۴]، باب: فی العربان [۳۳]، حدیث ۳۵۰۴، دار الکتاب العربی، بیروت، ابوعبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات [۱۲]، باب: بیع العربان [۲۲]، حدیث ۲۱۹۲، دار الفکر، بیروت، ابوعبداللہ شیبانی، مسند الامام احمد بن حنبل، مؤسسہ قرطبہ، قاہرہ۔ ج ۲، ص ۱۸۳، رقم ۶۷۳۲۔

14 محمد بن علی شوکانی، نیل الاوطار من احادیث سید الاخیار شرح منتقی الاخیار، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، بدون تاریخ۔ ج ۵، ص ۲۱۵۔

15 ابو بکر عبداللہ بن محمد، مصنف ابن ابی شیبہ، فی العربان فی البیع [۵۵۲]، حدیث ۳۲۶۵۶، طبعۃ دار القبلہ۔

16 مصنف ابن ابی شیبہ، فی العربان فی البیع [۵۵۲]، حدیث ۳۲۶۶۱۔

17 ایضاً۔ حدیث ۳۲۶۶۴

18 علی بن حسام متقی ہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۱ھ، ۱۹۸۱ء۔ ج ۴، ص ۱۵۵۔

19 نیل الاوطار من احادیث سید الاخیار شرح منتقی الاخیار، ج ۵، ص ۲۱۵۔

20 غرر لغت میں خطر اور ہلاکت پر پیش ہونے کو کہتے ہیں یا ہر وہ چیز جس کا ظاہر محبوب لیکن باطن مکروہ ہو۔ "غارٌ" اس آدمی کو کہتے ہیں جو معاملات میں جاہل ہو اور غفلت کا شکار ہو۔ امام رملیؒ نے اس کی اصطلاحی تعریف یہ کی ہے کہ ہر وہ چیز جو دو امور کا محتمل ہو اور اس میں جو غالب ہو اس میں خوف زیادہ ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کا انجام اور نتیجہ ہمیں معلوم نہ ہو اسے غرر کہتے ہیں۔ [الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ، ج ۹، ج ۴۹، بتغییر یسیر]

21 الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ، ج ۹، ص ۴۹، بتغییر یسیر

22 ہر وہ عقد جو وجود اور عدم وجود یا ربح اور عدم ربح کے درمیان چکر کاٹتا رہے جیسا کہ جوا ہو گیا۔ [الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ، ج ۱۹، ص ۲۰۸، بتغییر

یسیر]۔ وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر سوریہ، دمشق، بدون تاریخ۔ ج۵، ص ۱۲۰۔

23 نیل الاوطار من احادیث سید الاخیار شرح منتقی الاخیار، ج۵، ص ۲۱۵۔

24 عبداللہ بن احمد بن قدامہ، المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل شیبانی، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ۔ ج۴، ص ۳۱۲۔

25 الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۵، ص ۱۱۹۔

26 المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل، ج۴، ص ۳۱۲۔

27 ایضاً۔

28 الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۵، ص ۱۲۰۔

29 المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل، ج۴، ص ۳۱۲۔

30 ایضاً۔

31 مجمع الفقہ الاسلامی، الدورۃ الثامنہ، قرار 85/3/76۔

32 شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، فتاوی اسلامیہ، ج۲، ص ۸۴۷۔

33 الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۵، ص ۱۲۰۔